Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اردو سفر نامے میں سقوطِ ڈھاکہ کے تاریخی مضمرات

HISTORICAL SECRETS OF DHAKA'S FALL IN THE URDU TRAVELOGUES

*نجابت حسین
**ڈاکٹر سید کامران عباس کاظمی

ABSTRACT

The separation and creation of Bangladesh is not just part of Pakistan's history but that of south Asia as well. India has tried to spin its own historical and political narrative into it. The historical ramifications of the fall of Dhaka have become part of Urdu poetry, novels, short stories as well as travelogues. Although the impact of this important incident is mainly to be found in Asian Urdu Travelogues but its impact can also be seem in others. The Urdu travelers have unconsciously expressed their feeling and emotions. The writer with reference to the above mentioned incident, given at times passing references and a times detailed description. The introductory section of this research paper discusses the fall of Dhaka in its historical perspective. Then a step by step discussion on the cause is followed by a discussion of historical elements and ramifications. In short, Urdu Travelogue writers while discussing the historical ramifications and outcomes have adopted a critical perspective.

مشرقی پاکستان، آج کا بنگلہ دیش، 1971ء سے پہلے مغربی پاکستان کا حصہ تھا۔14ر اگست 1947ء سے لے کر 16ر دسمبر 1971ء تک بنگلہ دیش مغربی پاکستان کا حصہ رہا ہے۔بنگلہ دیش نے 14ر اگست 1947ء کو پاکستان کے ساتھ برطانوی سامراج سے اور 16ر دسمبر 1971ء میں ایک خون ریز جنگ کے بعد بھارت اور مکتی باہنی کے تعاون سے پاکستان سے آزادی حاصل کی۔بنگلہ دیش کا محلِ وقوع ایسا ہے کہ اس کے تین اطراف میں بھارت موجود ہے۔جنوب میں سمندر اور جنوب مشرق میں برما کی کچھ سرحد بنگلہ دیش کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔بنگلہ دیش کا کل رقبہ 148,560، آبادی 161,376,708 ہے اور اس میں مسلم آبادی 90.4 فیصد ہے اس طرح بنگلہ دیش آبادی کے لحاظ سے دنیا کا ساتواں اور مسلم آبادی کے لحاظ سے دنیا کا تیسرا بڑا ملک ہے۔بنگلہ دیش کے جغرافیائی اور آبادی کے حوالے انٹرنیٹ وکی پیڈیا پر معلومات ہے اس کی روس سے:

---

*پی ایچ ڈی سکالر (شعبہ اردو) ,بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد
**اسسٹنٹ پروفیسر،شعبہ اردو ,بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اسلام آباد

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

بنگلہ دیش اپنے قیام سے مستقل سیاسی افراتفری کا شکار رہا ہے اور اب تک ۱۳ مختلف حکومتیں برسرِ اقتدار آچکی ہیں اور کم از چار فوجی تاخت (مارشل لاء) ہو چکے ہیں۔ بنگلہ دیش آبادی کے لحاظ سے دنیا کا ساتواں بڑا ملک ہے اور تقریباً 144,000 مربع کلو میٹر کے ساتھ رقبے کے لحاظ سے دنیا کا 94واں ملک ہے۔ دنیا کا گنجان ترین آبادی کے حامل ممالک میں سے ایک ہے بلکہ اگر چھوٹے موٹے جزائر یا شہری حکومتوں کو فہرست سے نکال دیا جائے تو دنیا کا سب سے زیادہ گنجان آباد ملک بن جاتا ہے۔ جس کے ہر مربع کلو میٹر پر 998.6 (یا ہر مربع میل 639.2) افراد بستے ہیں۔ یہ تیسرا سب سے بڑا مسلم اکثریتی ملک ہے۔ لیکن اس کی آبادی ہندوستان میں مقیم مسلمانوں سے کچھ کم ہے۔ جغرافیائی اعتبار سے یہ دریائے گنگا و برہم پتر کے زرخیز دہانوں (ڈیلٹا) پر واقع ہے۔ مون سون کی سالانہ بارشوں کے باعث یہاں سیلاب اور طوفان معمول ہے۔ بنگلہ دیش جنوبی ایشیائی علاقائی تعاون کی تنظیم (سارک) اور BIMSTEC کا بانی رکن اور اسلامی کانفرنس کی تنظیم (او آئی سی) اور ترقی پذیر 8 (ڈی 8-) کا رکن ہے۔ 1

بنگلہ دیش (مغربی پاکستان) کی علیحدگی کی تحریکیں ایوب دور کے مارشل لاء کے دوران ہی شروع ہو گئی تھیں۔ بنگلہ دیش کے رہنے والے نیوی، ایئر فورس، بری فوج کے افسروں نے بنگالیوں کے درمیان علیحدگی کی تحریک چلائی۔ فوجی افسروں کے رابطے بھارت کے ساتھ تھے۔ پاکستان کو توڑنے کے لیے پہلے خود پاکستان کے اندر سے غدار اُٹھے۔ بعد میں بیرونی مداخلت کو جگہ ملی۔ بنگلہ دیش کے عوامی لیگ کے رہنما شیخ مجیب الرحمان نے بھارت کے سرکاری ایجنٹوں کے ساتھ اگر تلہ کے مقام پر پہلی ملاقات کی جس میں بنگلہ دیش کو الگ کرنے کے لیے منصوبہ بندی طے کی گئی۔ بھارت کے ساتھ گٹھ جوڑ ثابت ہونے پر شیخ مجیب الرحمان کو مغربی پاکستان میں قید کر لیا گیا تھا۔ تاہم یہاں یہ بتانا ضروری ہے کہ شیخ مجیب الرحمان کی بھارتی نمائندوں سے پہلی ملاقات کب اور کہاں ہوئی، اس کی وضاحت اس طرح ہے کہ:

> شیخ مجیب الرحمن مئی ۱۹۶۶ء سے قید میں تھے۔ ۱۸ر جنوری ۱۹۶۸ء کو اگر تلہ سازش میں ان کا نام مرکزی طور پر سامنے آیا۔ بتایا گیا کہ اس سازش کے تحت مشرقی پاکستان کو بھارت کی مدد کے ساتھ علیحدہ کرنے کا منصوبہ تیار کیا گیا تھا۔ سازش کرنے والے پینتیس افراد کی فہرست میں مشرقی پاکستان کے تین اعلیٰ افسران بھی شامل تھے۔ کیس کا نام اگر تلہ سازش اس لیے معروف ہوا کہ یہ مبینہ منصوبہ اگر تلہ کے مقام پر تیار ہو تھا جہاں مجیب الرحمن بھارتی فوج کے کچھ افسران سے ملے تھے۔ اب یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جولائی ۱۹۶۲ء میں مجیب الرحمان نے وہاں کے مقامی بھارتی لیڈروں سے خفیہ مذاکرات کیے تھے۔ علاوہ ازیں ۱۹۶۵ء کی جنگ کے بعد عوامی لیگ کے لیڈروں اور بھارتی حکومت کے نمائندوں کے درمیان خفیہ مقامات پر متعدد ملاقاتیں ہو چکی تھیں۔ 2

بھارتی ایجنٹوں یا نمائندوں کے ساتھ شیخ مجیب الرحمان کی کئی ایک ملاقاتیں ہوئیں تھیں۔ لیکن اس سے پہلے مغربی پاکستان میں بھی شیخ مجیب الرحمن کی ملاقات پاکستانی فوج کے بنگالی افسران کے ساتھ ہوئی ۔ یہ ملاقات کب اور کہاں ہوئی اس کے بارے میں مرتضیٰ انجم لکھتے ہیں کہ:

> ۱۵ر اور ۲۱ر ۱۹۶۴ء کے دوران شیخ مجیب الرحمن کراچی میں مقیم تھے ان کو پاکستان نیوی کے لیفٹیننٹ کمانڈر معظم حسین نے ایک میٹنگ میں شرکت کے لیے مدعو کیا تھا اس سے قبل انھوں نے ۱۹۶۴ء کے اوائل میں اپنی قیام گاہ کراچی میں اسٹیورڈ

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

میمن نور محمد اور لیفٹیننٹ مزمل حسین کی رضامندی سے ایک میٹنگ میں شیخ مجیب الرحمن سے مشرقی پاکستان پر قبضہ کرنے کے لیے انقلابی تنظیم کے قیام کے منصوبے پر مشورہ لینے کا فیصلہ کیا یہ میٹنگ کمال الدین احمد کے مکان، کراچی میں ہوئی اور اس میں (1) شیخ مجیب الرحمن (2) احمد فضل الرحمن (3) اسٹیورڈ مجیب (4) سلطان (5) نور محمد (6) احمد فضل الرحمن سی ایس پی اور (7) مزمل نے شرکت کی۔"3

بنگلہ دیش کو توڑنے کی سازش کیسے اور کب تیار کی گئی اس کے بارے میں بھارتی بحریہ کے کمانڈر وائس ایڈمرل انیل کمار چاولہ کا یہ کہنا ہے کہ:

انڈیا نے ۱۹۶۵ سے مشرقی پاکستان کو مغربی پاکستان سے الگ کرنے پر غور شروع کر دیا تھا جس کے بعد ۱۹۷۱ء میں پاکستان کو تقسیم کرنے کے منصوبے پر مکمل طور پر عمل کیا گیا۔ انھوں کلاسیفائڈ دستاویز کا حوالہ دیتے ہوئے کہا کہ اس بات کی تصدیق کے لیے کافی شواہد موجود ہیں۔ وائس ایڈمرل نے کہا کہ اس وقت کے تجربے کو فوج نے مکتی باہنی کی تربیت کے دوران استعمال کیا۔ ساوتھ ایشین وائر کے مطابق چیف آف سدرن کمانڈ نے ۱۹۷۱ء کی پاک بھارت جنگ کے حوالے سے ایک تقریب میں کہا کہ اس وقت ہندوستان کمزور تھا کیوں کہ کانگریس ٹوٹ چکی تھی اور اندرا گاندھی وزیر اعظم بننے میں کامیاب ہو گئیں تھیں۔ انھوں نے کہا کہ ایوزیشن انھیں 'گھونگی گڑیا' کہا کرتی تھی، ان سے یہ توقع نہیں تھی کہ وہ زیادہ دیر چلے گی۔ وائس ایڈمرل کے مطابق پاکستان کو تقسیم کرنے کا خیال ۱۹۶۵ء میں بہت ابتدائی مرحلے تھا۔ ان کے مطابق ۳۰ جنوری ۱۹۷۱ء کو کشمیریوں کی جانب سے انڈین ایئر لائن کے طیارے کو ہائی جیک کرنا شاید ٹرگر پوئنٹ تھا۔4

بھارتی نیوی کمانڈر نے جو بیان حالیہ دنوں میں دیا ہے ممکن ہے یہ اس بنیاد پر ہو کہ پاکستان نیوی کے لیفٹیننٹ کمانڈر معظم حسین کا بھارتی نیوی سے کوئی رابطہ ہو جس کے بنیاد پر انیل کمار چاولہ نے مذکورہ بالا بیان دیا ہے۔ کیوں کہ معظم حسین بھی نیوی کے آفیسر تھے اور بنگلہ دیس کی علیحدگی کی تحریک کے سرکردہ رہنما تھے۔ ان کے گھر پر باغیوں کی ملاقتیں ہوتی رہتی تھیں جن میں ان کی رائے حتمی تصور کی جاتی تھی۔ بنگلہ دیش کی بغاوت کی تیاری کے سلسلے میں ایک میٹنگ میں معظم حسین نے کہا:

نیوی میں ملازم مشرقی پاکستانیوں نے مشرقی پاکستان کو ایک آزاد مملکت بنانے کے لیے جنگ جو فوج بنالی ہے اور اس جماعت میں بری اور فضائی فوج میں ملازم مشرقی پاکستان کو بھی شریک کیا جائے گا انھوں نے وضاحتاً کہا کہ اس منصوبے کی کامیابی کے لیے مشرقی پاکستان کے سیاسی لیڈروں اور سرکاری احکام کا تعاون اور حمایت حاصل کرنا بہت ضروری ہو گا۔ مزید یہ کہ اس جماعت کی مالی ضرورت کے لیے رقومات درکار ہوں گی۔"5

بنگلہ دیش کی علیحدگی ایک مکمل تنظیم اور طے شدہ منصوبہ بندی کے تحت عمل میں لائی گئی تھی۔ مذکورہ بالا سطور میں پاکستان کے خلاف علیحدگی پسند فوج کا ذکر کیا گیا ہے۔ دراصل جس فوج کے بنانے کا ذکر کیا گیا ہے وہ مکتی باہنی کی فوج تھی جس نے پاکستانی فوج کے خلاف بڑی خوف ناک اور خون ریز قسم کی کاروائیاں کی تھی ۔ مکتی باہنی کی ترتیب و تنظم کے بارے میں مرتضیٰ انجم لکھتے ہیں کہ:

پاکستانی فوج کے ایک ریٹائرڈ کرنل عثمان نے مشرقی پاکستان کے تعلیمی ادارے مکتی باہنی کے مراکز میں تبدیل کر دیئے، جہاں بھارتی کمانڈوز بنگالی نوجوانوں کو ہتھیار استعمال کرنے کی تربیت دیا کرتے تھے۔ یکم مارچ ۱۹۷۱ء کو تمام تعلیمی ادارے بند کر دیئے گئے۔ لیکن مکتی باہنی نے پھر بھی اپنی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ بنگالی نوجوانوں پر مشتمل فوج تیار ہو رہی تھی جو بالآخر پاکستانی فوج کے مقابلے کے لیے سامنے لائی جا سکتی تھی۔"6

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

پاکستان کی فوج نے جنرل ٹکا خان کی قیادت میں ایک فوجی ایکشن سر انجام دیا جس کے نتائج بظاہر امن و امان کی صورتِ حال کے پیشِ نظر تھے۔ مگر حقیقت میں بنگلہ دیش کی علیحدگی کا منصوبہ بھارت کی مداخلت کی وجہ سے بڑی ہوشیاری اور سفاکی کے ساتھ سر انجام دیا گیا۔ بنگلہ دیش میں فوج ردِ عمل سے یہ نقصان ہوا کہ دشمن اور مکتی باہنی کو فوج کی طاقت کا اصل اندازہ ہو گیا اور آئندہ کی صورتِ کو دیکھتے ہوئے انھوں نے اپنے لائحہ عمل کو تبدیل کر کے نئے سرے سے پاکستانی فوج کو گھیرے میں لیا۔ تاہم بھارت نے پاکستان کے خلاف تمام محاذوں پر جنگ کا آغاز کر دیا جس کی کیفیت اس طرح تھی کہ:

> مشرقی پاکستان میں فوجی ایکشن کے بعد حالات بظاہر معمول پر آ گئے تھے۔ لیکن راکھ میں دبی ہوئی چنگاریاں کسی وقت بھی شعلوں کی شکل اختیار کر سکتی تھیں۔ بھارت نے اس اپریشن کی آڑ لے کر ۲۲ نومبر کو مشرقی پاکستان پر حملہ کر دیا۔ اور مشرقی پاکستان میں تمام محاذوں پر جنگ شروع ہو گئی۔ ملک میں ہنگامی حالت کا اعلان کر دیا گیا۔ پاکستانی فوج کو ایک طرف بھارتی افواج کا سامنا تھا۔ تو دوسری طرف تربیت یافتہ بنگالی ان کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے میں مصروف تھے۔ جس کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے بھارت نے ۶ ر دسمبر کو مغربی پاکستان پر بھی حملہ کر دیا۔ مشرقی اور مغربی پاکستان پہلے ہی ایک ہزار میل کے فاصلے پر تھے۔ مشرقی پاکستان کے دفاع پر مامور پاکستانی فوج کو سامانِ رسد اور اسلحہ کی ترسیل رک گئی۔ ۱۶ر دسمبر کو ڈھاکہ بھارت کے قبضے میں آ گیا۔ ۱۷ر دسمبر کو اقوامِ متحدہ اور امریکہ کی مداخلت پر جنگ بند ہو گئی۔"[7]

سقوطِ ڈھاکہ کے واقعہ کا تاریخی نوعیت کے لحاظ سے اردو سفر نامے کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوا ہے کہ بنگلہ دیش کی علیحدگی کی کچھ نہ کچھ وجوہات بھی تھیں۔ آزادیٔ ہند کے وقت جب مشرقی پاکستان موجودہ مغربی پاکستان کے ساتھ آزاد ہوا تو پاکستان آبادی اور رقبے کے لحاظ سے دنیا کے بڑے ممالک میں شامل ہوتا تھا۔ لیکن دونوں خطوں کے عوامی میں ثقافتی، لسانی، جغرافیائی اور تاریخی لحاظ سے بُعد تھا جس کی وجہ سے دونوں خطوں کے عوامی میں دوری پیدا ہوتی گئی۔ صرف ایک بات تھی جو دونوں خطوں کے عوام کو قریب لانے کی وجہ بنی اور وہ یہ تھی کہ دونوں خطوں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی۔ لیکن بنگلہ دیش کی عوام کے بارے میں مستنصر حسین تارڑ کا کہنا ہے کہ: "انھیں ہم مناسب مسلمان نہیں سمجھتے تھے۔ وہ ہارمونیم پر اپنے دریاؤں کے گیت گاتے تھے اور اللہ بارش دے کے بجائے اللہ میگھ دے پکارتے تھے۔ جو سراسر نظریۂ پاکستان کے خلاف تھا۔"[8] بنگلہ دیش کی علیحدگی کی لسانی تفریق کے علاوہ ایک وجہ پاکستان اور بنگلہ دیش کے مابین ثقافتی ہم آہنگی کا نہ ہونا بھی تھا۔ یوں تو وہ بھی ہماری طرح کے سچے مسلمان تھے۔ لیکن یہ ایک ایسا تاریخی پہلو ہے کہ جسے تاریخ میں بیان نہیں کیا گیا مگر اردو سفر نامے میں اہلِ بنگلہ دیش کے اس تاریخی راز کو بیان کیا گیا ہے کہ حقیقت میں مغربی پاکستان کے شاعر ادیب اور سیاست دان انھیں صحیح معنوں میں مسلمان بھی نہیں سمجھتے تھے۔ ایسا رویہ بعد میں بنگلہ دیش کی علیحدگی کا سبب بھی بنا جس کا ذکر مستنصر حسین تارڑ نے اس طرح کیا ہے کہ:"بنگلہ دیشی وفد کی خواتین فوارے کے روپہلی کرنوں والے چمکتے منظر والی شیشے کی کھڑکی سے لگ کر بیٹھی تھی اور اُن میں دو ایسی تھیں جنھوں نے نہایت اہتمام سے اپنے سر کو ڈھانپ رکھا تھا۔ اس کے باوجود ہم انھیں مناسب مسلمان نہیں سمجھتے تھے۔"[9] بنگلہ دیش کچھ تعلیم اور تہذیب سے نا آشنا سیاست دانوں کی نظر ہو گیا۔ بنگالیوں کے مسلمان ہونے پر نکتہ چینی کی جاتی تھی۔ ان کے رہن سہن اور زبان پر بھی تنقید کی جاتی تھی۔ سقوطِ ڈھاکہ کے کچھ عرصہ بعد انتظار حسین نے بھارت کا سفر کرنے کے بعد سفر نامہ لکھا۔ جس میں انھوں بنگلہ دیش کے علیحدگی کی ایک وجہ یہ بتائی ہے کہ: "مشرقی پاکستان میں تھے تو بنگالیوں کے بارے میں کہتے تھے کہ یہ لوگ بولتے کس طرح ہیں۔"[10] بنگلہ دیش کی علیحدگی کی یوں تو بہت سی وجوہات ہیں جن میں ایک یہ بھی ہے کہ مغربی پاکستان کے سیاست دانوں، ادیبوں کا یہ خیال تھا کہ بنگلہ دیش والوں کو اقبال بھی سمجھ نہیں آتا۔ اس کے علاوہ لسانی، ثقافتی فطرتی پر تنقیدی جیسی وجوہات تھیں جن کا ذکر مستنصر حسین تارڑ نے اس طرح کیا ہے کہ:

> اقبال اُن کی سمجھ میں نہیں آتا تھا ایک مرتبہ پھر نظریہ پاکستان کے منافی عمل تھا۔۔۔ یہاں تک کہ ہندو ٹیگور کی شاعری کو زیادہ پسند کرتے تھے۔ اور ان کی خواتین ساڑھیاں باندھتی تھیں جو ایک باپردہ لباس نہ تھا اور اُن کی اردو نہایت ہی کمزور تھی اور انگریزی کا لہجہ بہت خراب تھا اور اُن کی رنگت نیم سیاہ تھی اور قد چھوٹے تھے۔ اور ہماری مسلمانی کا معیار جدا تھا۔ ایک

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

اچھا مسلمان صرف شلوار قمیض پہنتا ہے، موسیقی کو حرام سمجھتا ہے، اُس کی اردو کا شین اور قاف درست ہوتا ہے۔ انگریزی اکسونین لہجے میں بولنے کی سعی کرتا ہے، دراز قد اور کھلی رنگت کا ہوتا ہے چنانچہ وہ ہمارے معیار پر نہیں اُترتے تھے۔ 11؎

بنگلہ دیش کی مغربی پاکستان سے علیحدگی کے لیے بہت سی سیاسی وجوہات سامنے آتی ہیں۔ سب سے بڑی سیاسی غلطی یا وجہ اُس وقت سامنے آئی جب ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں عوامی لیگ نے بنگلہ دیش میں بہت زیادہ اکثریت حاصل کی۔ یعنی صرف ایک صوبے میں ۱۶۵؍ نشستوں میں سے ۱۶۲؍ صرف عوامی لگ نے حاصل کیں تھی۔ جب کہ مغربی پاکستان میں عوامی لیگ کی کوئی نشست بھی نہیں تھی۔ پیپلز پارٹی کی مغربی پاکستان میں کل نشستوں میں سے ۸۷ نشستیں تھیں۔ امکان تھا کہ پاکستان میں عوامی لیگ اکثریت بنا پر تنہا حکومت قائم کر لیتی۔ مجیب الرحمن کے اقتدار میں آنے کے بعد عسکری انتظامیہ کے سب سے بڑے ادارے کے بنگلہ میں منتقلی کے خطرے نے مغربی پاکستان کے سیاست دانوں اور عسکری قیادت اس حق میں نہیں تھے کہ شیخ مجیب الرحمن پاکستان کے وزیرِ اعظم بنیں۔ یہی وجہ ہے کہ تم اُدھر حکومت کرو اور ہم اِدھر حکومت کریں گے، کے نعرے نے بنگلہ دیش کی علیحدگی کی راہ کو مزید ہموار کر دیا تھا۔ مستنصر حسین تارڑ نے اپنے سفر نامے میں اس تاریخی واقعہ کو اس طرح بیان کیا ہے: ”ہم پاکستانی جغرافیے کو اِدھر اُدھر کرنے کے ماہر ہیں جناب عالی۔۔۔۔۔ آپ نے دیکھا کہ کانفرنس میں بنگلہ دیش کا وفد جو ہمارے جغرافیے کا حصہ تھا وہ بھی ذرا اِدھر اُدھر ہو گیا اور ہم نے اِن کو ادھر کر کے اِدھر ہم اور اُدھر تم ایک نیا پاکستان بنا لیا تھا۔ “12؎ بنگلہ دیش کے علیحدگی کے بارے میں سیاست دانوں کی غلطی کے بارے میں حکیم محمد سعید کہتے ہیں کہ: ”اگر ہم نے مشرقی پاکستان میں سیاسی غلطیاں کی ہوتی نہ اور اس علاقے سے جنوب مشرقی ایشیا کو اپنا دوست بناتے تو ہندوستان کو اپنے اثر و نفوذ کی وجہ سے پاکستان کے خلاف حالات پیدا کرنے کا موقع نہیں مل سکتا تھا۔“13؎ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان کی سیاسی صورتِ حال کا ایک اور جگہ پر مستنصر حسین تارڑ نے یوں نقشہ کھینچا ہے کہ: ”مسلم لیگ صرف بنگلہ دیش میں جیتی تھی پنجاب میں یا سرحد میں نہیں اور تحریک پاکستان کا آغاز بھی وہیں سے ہوا تھا۔۔۔ لیکن وہ ہمارے مسلمانی اور حب اولوطنی کے معیار پر پورے نہیں اُترتے تھے۔ “14؎ دیش کے ساتھ مذہبی تنگ نظری کی فضا کو مستنصر حسین تارڑ ایک اور جگہ یوں بیان کرتے ہیں کہ: ”انھیں ہم مناسب مسلمان نہیں سمجھتے تھے۔ وہ ہارمونیم پر اپنے دریاؤں کے گیت گاتے تھے اور اللہ بارش دے کے بجائے اللہ میگھ دے پکارتے تھے۔ جو سراسر نظریۂ پاکستان کے خلاف تھا۔ “15؎ دراصل پاکستان کی سیاست اور ریاست پر مذہبی بالادستی نے بنگلہ دیش کی علیحدگی کے تابوت میں آخری کیل ٹھونکنے کا کام سرانجام دیا۔ مطلب یہ کہ مغربی پاکستان میں جہاں ذوالفقار علی بھٹو کو سیاست میں ریاست کا آشیر واد حاصل تھا وہاں پر مذہبی حلقوں کی بھی خوب حمایت حاصل تھی۔ جس کی وضاحت آئین ٹالبوٹ نے اس طرح کی ہے کہ: ”اسلامائزیشن اور فرقہ وارانہ تشدد نے ۱۹۷۱ء کے بعد کی سیاست میں سے پیروں کے کردار پر سے توجہ کو ہٹا دیا لیکن پیروں کی بڑی تعداد پاکستانی سیاست کے اہم کھلاڑی رہے ہیں جیسا کہ پیر پگاڑہ جس کے ایک لاکھ مرید ہیں۔ پیر پگاڑہ محمد خان جونیجو کی زیرِ قیادت پاکستان مسلم لیگ کے بڑے حمایتی تھے لیکن سندھ میں پیروں کی اکثریت پی پی پی سے منسلک ہے یا پھر سندھی قوم پرست تحریک کے ساتھ۔“16؎ مغربی پاکستان کی سیاسی اور مذہبی صورتِ حال کے ساتھ ساتھ اس میں سیاسی عدم استحکام کی فضا نے بھی بنگلہ دیش کے علیحدہ ہونے کے لیے راہ ہموار کی وہ اس طرح کہ:

> ڈھاکہ ہم سب کے لیے ایک نئی اور انوکھی جگہ تھی مغربی پاکستان کے مقابلے میں مشرقی پاکستان ایک بالکل مختلف سرزمین نکلی۔ بے حد حسین اور پرکشش اور طلسمی، صدر ایوب خان کا مارشل لاء طول کھینچتا جا رہا تھا اور اس کے خلاف مشرقی پاکستان میں جذبات خاصے مشتعل تھے۔ مشرقی پاکستان کے لوگوں کے بارے میں عام تاثر یہ تھا کہ وہ فوجی حکومت برداشت نہیں کرتے چنانچہ بعد میں بنگلہ دیش کے قیام کا سبب بھی یہی قرار دیا گیا کہ ملک میں بہت عرصے تک مارشل لاء قائم رہا تھا۔ یہ اور بات ہے کہ بنگلہ دیش کے قیام کے بعد بھی وہاں صحیح معنوں میں جمہوریت بہت کم عرصے رہے۔ 17؎

بنگلہ دیش کی علیحدگی کا ایک سبب سفر نامے میں یہ بھی چھپا ہوا ہے کہ مغربی پاکستان کے سیاست دانوں نے بنگلہ دیش کی عوام کا معاشی استحصال بھی کیا تھا۔ بنگلہ دیش نے عوامی شعور میں اس بات کو چرچا تھا کہ مغربی پاکستان کے سیاست دان پٹ سن کے سنہری ریشوں کی آمدنی کو مغربی پاکستان کے صوبوں پر خرچ

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

کرتی ہے۔ کیوں کہ مشرقی پاکستان یعنی بنگلہ دیش سے پٹ سن مغربی پاکستان کی فیکٹریوں میں لائی جاتی تھی اور پھر یہاں سے مال تیار کر کے دوسرے ممالک کے ساتھ تجارت کے لیے بھیجا جاتا تھا۔ ضرورت کا مال بنگلہ دیش میں واپس لایا جاتا تھا۔ اس طرح بنگلہ دیش کی عوام اور سیاست دانوں کے درمیان :

> محرومیوں اور شکوہ شکایات کی باتیں عام تھیں۔ انھیں یہ احساس تھا کہ مغربی پاکستان خصوصاً کراچی اور پنجاب میں دولت کی فراوانی ہے جس کا ذریعہ دراصل مشرقی پاکستان کا پٹ سن ہے۔ مگر مشرقی پاکستان لوگوں کو سنہرے ریشے کی آمدنی سے محروم رکھا جاتا ہے حق تلفیوں کی ایک طویل فہرست انھوں نے مرتب کر کے رکھی تھی۔ جہاں کچھ لوگ یکجا ہوتے یہی بحث چھڑ جاتی لیکن اس وقت یہ وہم و گماں میں بھی نہ تھا کہ نوبت علیحدگی تک پہنچ جائے گی۔18

بنگلہ دیش کے تاریخی مضمرات کے پیشِ نظر اردو سفر نامے میں تاریخی واقعات کا جائزہ لیا جائے تو مطالعہ میں یہ آتا ہے کہ سفر نامہ نگاروں نے بنگلہ دیش کے تاریخی واقعہ کو فراموش نہیں کیا بلکہ جب کبھی موقع کی مناسبت پیش آئی تو اس کا ذکر ضرور کیا۔ انتظار حسین نے اپنے ناول میرا گھر اور آگے سمندر ہے میں مشرقی پاکستان کے حالات واقعات کا ذکر کیا ہے مگر در حقیقت یہ ایسا واقع ہے کہ پاکستان کے ہر ادیب کی تحریروں میں شامل ہوا۔ بنگلہ دیش کی عوام خاص طور پر ادیبوں اور دانشوروں کے قتل عام کے حوالے سے جو اقدامات اُٹھائے گئے تھے اس حوالے سے انتظار حسین لکھتے ہیں کہ: ”ڈھاکہ کے فال سے صرف دو دن پہلے یہ واقعہ ہوا۔ رات کو دستک ہوئی میرے شوہر باہر گئے۔ دیر تک واپس نہ آئے تو میں پریشان ہوئی۔ پھر واپس ہی نہیں آئے۔“19 بنگلہ دیش میں ادیبوں کے قتل عام کے واقعات ایسے تھے کہ ہر سطح پر پاکستان کے سیاست دانوں اور ادیبوں کو ایسی صورت حال کو سامنا کرنا پڑا کہ جس کا ان کے پاس جواب تک نہیں تھا۔ انتظار حسین نے ایک اور جگہ لکھا ہے کہ:”۱۹۷۱ء کے نامبارک سال میں پیدا ہونے والی ایک بچی جس کے دنیا میں آنے کے ساتھ اس کا باپ چلا گیا۔ اب وہ پاکستان سے آنے والے ایک اجنبی سے پوچھ رہی تھی۔ ”انکل “آپ میرے ابو کو جانتے تھے۔ “20 اسی طرح کی صورت حال سامنا اردو سفر انامہ نگار عطاالحق قاسمی کو بھی کرنا پڑا۔ بنگلہ دیش کی عوام کے بارے میں وہ اس طرح لکھتے ہیں کہ:”تمہاری فوج کے ہاتھ بے گناہ بنگالیوں کے خون سے رنگے ہوئے ہیں۔ کیا تم مغربی پاکستانی ہونے کی حیثیت سے خود کو ”گلٹی “محسوس نہیں کرتے۔ میر لین کی آنکھوں میں غصہ تھا۔“21 ادیب، شاعر، دانشور، گلوکار اور موسیقار بنگلہ دیش کی عوام میں ایسے سر کردہ لوگ تھے۔ جن کا ہتھیار قلم اور آواز تھی، انھوں نے اسے استعمال کر کے بنگلہ دیش کو علیحدہ کرانے میں کامیابی حاصل کی ۔ جہاں پر ادیب اور دانشوروں کے ہلاک کرنے کا معاملہ ہے تو مستنصر حسین تارڑ بنگلہ دیشی گلوکارہ رونا لیلیٰ کے بارے میں فکری مندی سے لکھتے ہیں کہ:

> قابل فہم طور پر ابھی ایک نیا اور بنگالیوں کے پاک اسلامی پاکستان وجود میں نہیں آیا تھا اور وہاں کچھ مشرقی پاکستانی لڑکے بھی تھے۔ اور ایک لڑکی تھی ... یہ بہت دھان پان سی ایک ساڑھی میں ملبوس لڑکی تھی جو سحر بنگال کی نمائندگی تو نہ کرتی تھی پھر بھی غنیمت تھی کہ ایک لڑکی تھی جو پاکستانی خواتین کی نمائندگی کرتی تھی ...ہم اسے سینت سینت کر رکھتے اور اس کی مدارت میں کچھ کسر اُٹھا نہ رکھتے ...اور دعوتوں میں استقبال تقاریر کے بعد جوابی تقریر کے لیے اسے سٹیج پر بھیجتے۔ جانے اب وہ کہاں ہو گی اگر ۱۹۷۱ء میں ہلاک نہ کر دی گئی ہو تو وہ ایک بنگلہ دیشی کے طور پر ان دنوں کو کیسے یاد کرتی ہو گی جب وہ روس میں پاکستان کی نمائندگی کرتے ہوئے اپنے اس وطن کے گیت گایا کرتی تھی۔22

بنگلہ دیش الگ ہوا تو اس کی یادیں، احساس اور بازگشت پاکستان کے ادیبوں اور سفر نامہ نگاروں کے یہاں سنائی دی۔ اس رنج کا اظہار انھوں نے اپنے انداز میں کیا۔ سقوط ڈھاکہ کا واقعہ ان کی تحریروں میں کہیں نہ کہیں سے گھوم پھر کر آ جاتا ہے۔ قراۃ العین حیدر کہتی ہیں کہ:”۱۹۷۱ء میں بنارس سرکٹ ہاؤس کے مسلمان خانساماں نے مجھ سے کہا تھا بیٹا آج کل یہاں مسلمان محلوں میں شاہ نعمت اللہ ولی کی پیشن گوئی کا بڑا چرچا ہے۔ وہ بتا گئے تھے کہ مشرقی پاکستان میں یہ سب ہوا۔ سوال یہ ہے کہ کسی بھی کرائسس کے موقع پر عوام کے ہاں شاہ نعمت اللہ ولی اچانک کیوں نمودار ہو جاتے ہیں۔ بڑی اندرونی بات ہے۔“23 سقوط ڈھاکہ کے واقعہ کی انتظار حسین کی تحریروں میں بھی موجود ہے۔ خاص طور پر سفر نامے میں اس کا ذکر اکثر جگہوں پر موجود ہے۔ انتظار حسین لکھتے ہیں کہ:”پاکستان ٹوٹنے کا

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

سانحہ۔ شکست۔ مگر فتح و شکست کا کھیل تو چلتا ہی رہتا ہے۔ یہاں پاکستان نے خالی اپنا آدھا حصہ گم نہیں کیا، اپنی روح کو بھی گم کر دیا۔ "24؎ بنگلہ دیش کی علیحدگی کا کسی نہ کسی بہانے سے اجمل نیاز نے بھی اپنے سفر نامے میں ذکر کیا ہے ان کا کہنا ہے کہ: "بنگلہ دیش بنا تو عظیم چینی مدبر چواین لائی نے کہا تھا کہ "اصل میں بھارت کے ٹکڑے ہونے کی ابتداء ہے۔"25؎ سقوطِ ڈھاکہ کا ذکر کرتے ہوئے رفیق ڈوگر سقوطِ غرناطہ اور اس کے غداروں سے بنگلہ دیش کے غداروں کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> دسمبر ۱۹۷۱ء میں بھارت کی وزیر اعظم اندرا گاندھی نے سقوطِ ڈھاکہ پر اپنی قوم سے کہا تھا کہ انھوں نے مسلمانوں سے ہزار سالہ شکستوں کا بدلہ لے لیا ہے۔ ہم کب تک اپنے اجداد کی فتوحات کا بدلہ چکاتے رہیں گے۔ سقوطِ غرناطہ اور سقوطِ ڈھاکہ کہ میں نے کون کون سی قدر مشترک ہے؟ سقوطِ غرناطہ ہوسِ اقتدار کی خانہ جنگی سے ہوا۔ ابو عبداللہ نے ہوس اقتدار میں اپنے ملک و قوم کے دشمن سے دوستی کر لی تو عیسائیوں کا سینکڑے سال پرانا خواب پورا ہو گیا۔ سقوطِ ڈھاکہ بھی ہوس اقتدار کے مریضوں کی دشمن دین و ملت سے دوستی کی بدولت دیکھنا پڑا اور ہندوؤں کا ہزاروں سال پرانا خواب پورا ہو گیا۔ 26؎

یہ بات الگ تحقیقی مطالعہ کی مستحق ہے کہ کن کن عناصر کی غداری کی وجہ سے سقوطِ ڈھاکہ کے المیہ پاکستانی قوم کو برداشت کرنا پڑا۔ لیکن اتنا ضروری ہوا کہ ملک کے اندر موجود غداروں کی وجہ سے پاکستان کی قومیت اور سالمیت ناقابلِ تلافی نقصان کا برداشت کرنا پڑا۔ کیوں کہ ملک کے اندر غداروں کی وجہ سے ملک دشمن بھارت کی وزیر اعظم: 'اندرا نے خلیج بنگال میں نظریہ پاکستان کے ڈبونے کا اعلان کر دیا تھا تو پھر دشمن کی کشتیوں میں اپنے آپ کو بچا کر لانا زندگی تو نہیں۔"27؎ سقوطِ ڈھاکہ کے پیچھے کتنی گھمبیر کہانی ہے اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اردو سفر نامے میں اس کی محسوسات اس قدر گہری ہیں تو اردو ادب کی دوسری اصناف میں کیا کیفیت ہو گی۔ سقوطِ ڈھاکہ میں غداری کے عنصر کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی وجہ بتاتے ہوئے محمد رفیق ڈوگر لکھتے ہیں کہ: "دو جنوری ۱۴۹۲ء، سقوطِ غرناطہ اور سقوطِ ڈھاکہ چار سو اسی سال بعد بھی ہمارے ہاں ابو عبداللہ ہی کیوں پیدا ہوتے ہیں؟ کسی اور قوم نے مسلمانوں جتنے ابو عبداللہ پیدا کیوں نہیں کیے۔ "28؎ اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں کہ سقوطِ ڈھاکہ ایک سنگین قسم کی بغاوت اور غداری کے بعد عمل میں آیا۔ اگر ملک کے اندر غدار موجود نہ ہوتے تو باہر سے کسی کو اتنی جرأت نہیں ہو سکتی تھی کہ وہ پاکستان پر حملے کرے۔ محمد اجمل نیاز لکھتے ہیں کہ: "سقوطِ ڈھاکہ ہماری ذلتوں کی کہانی ہے۔ مگر ہم نے جنگ ہاری نہیں۔ کوئی یہ بتائے کہ جنگ بندی یا ہتھیار ڈالنے کی عالمی سازش سے پہلے بھارتی فوجوں نے ہماری ایک انچ زمیں پر قبضہ کیا تھا۔ وہ سرحدوں پر گیدڑ بھبکیاں دیتے رہے، "ٹائیگر" کی موت کے بعد وہ شہر میں داخل ہوئے۔"29؎

سقوطِ ڈھاکہ کا معاملہ ایسا تھا کہ بنگلہ دیش کی علیحدگی کے بعد بھی یہ ادیبوں، شاعروں اور سفر نامہ نگاروں کی تحریروں کا براہ راست حصہ بنتا رہا۔ ایک ایسا وقت آیا کہ سقوطِ ڈھاکہ ایک تاریخی استعارہ بن کر رہ گیا۔ سفر نامہ نگاری یا ادیب کسی بنگلہ دیش کے فرد کو دیکھتا تو اسی وقت اُس کا دھیان بنگلہ دیش کے ساتھ بیتے گئے واقعات کی طرف چلا جاتا تھا۔ یا کوئی ادیب، شاعر یا سفر نامہ نگار کی ایسی چیز کو دیکھتا جس کا انسلاک بنگلہ دیش یا سقوطِ دھاکہ کے ساتھ تھا تو بنگلہ دیش کی علیحدگی کا معاملہ تاریخی پس منظر سے اُٹھ سامنے آ جاتا تھا۔ جیسے امجد اسلام امجد ایسے ہی ایک معاملے کو بیان کرتے ہیں کہ: "ایک ادھڑ عمر کی خوش نما اور انتہائی ہنس مکھ خاتون ہر کام میں آگے آگے تھی عازم نے بتایا کہ یہ جگجیت سنگھ اروڑہ کی بیٹی ہے۔ ایک دم ذہن میں گھنٹی بجی اور سقوطِ ڈھاکہ مشرقی پاکستان پلٹن میدان ڈھاکہ اور جنرل نیازی کے ہتھیار ڈھالنے کے مناظر نیو سائن کی طرح حافظے میں بجھنے لگے۔30؎ پاکستانی فوج کے بھارت کے سامنے ہتھیار ڈالنے کی رسم بڑی دل کو دہلا دینے والی تھی۔ محمد اجمل خان نیازی لکھتے ہیں کہ: "پھولن دیوی نے ہتھیار ڈال دیے مجھے اتنا ہی دکھ ہوا جتنا مشرقی پاکستان میں جنرل نیازی کے ہتھیار ڈالنے کا ہوا تھا پھولن ایک خاص پورا علاقہ بھارت کا تلاش کر لینا چاہتی تھی۔"31؎ ہتھیار ڈلنے کی رسم کا منظر ایک اور جگہ محمد اجمل نیازیوں بیان لکھتے ہیں کہ: "جنرل نیازی کی موت پر بنگلہ دیش کا پرچم سرنگوں ہونا چاہیے اور بھارت کا ترنگا بھی۔"32؎ بنگلہ دیش میں پاکستانی فوج کے ہتھیار ڈالنے کے معاملے ہر ایک سفر نامہ نگار نے اپنے انداز میں پیش کیا ہے۔ لیکن مستنصر حسین تارڑ کا اس تاریخی واقعہ کو بیان کرنے کا انداز بھی بہت انوکھا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ:

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

۱۹۷۱ء کی جنگ تو یوں بھی بہت دور ہندوستان کے پار جانے کس جہاں میں لڑی جا رہی تھی اور نظریہ پاکستان کی سربلندی اور اسلام کے دفاع کی لڑی جا رہی تھی اور اس دوران معمول کی زندگی جاری و ساری رہی... ہمارے ٹائیگر زیہ کہتے رہے کہ ڈھاکہ میں داخل ہونے والے ہندوستانی ٹینک میری لاش پر سے گزریں گے... اور پھر پلٹن میدان میں مسکراتے ہوئے جنرل اروڑا کی خدمت میں اپنا ریوالور پیش کر دیا اور نوے ہزار غازیوں کو بچا لیا۔ چنانچہ ہم نے پاکستانی جان ہی نہیں سکتے کہ جنگ کیا ہوتی ہے۔33

دراصل بنگلہ دیش میں پاکستان کی فوج کا ہتھیار ڈالنے کا معاملہ خالص بنیادوں پر تاریخی نوعیت کا تھا جو سفر نامہ نگاروں کی تحریروں کا حصہ بھی بنا۔ بھارت کے آگے ہتھیار ڈالنے کی رسم اگرچہ بظاہر شکست تسلیم کر لینا نہیں تھا بلکہ ہتھیار ڈالنے کی رسم پاکستان کی بنگلہ دیش سے دست برداری ہونے کا ایک عمل تھا جو بہت بعد تک سفر نامہ نگاروں اور ادیبوں کے ذہنوں کے لیے دل خراش رہا۔ پاکستان کا بنگلہ دیش میں ہتھیار ڈالنے کا معاملا جو کچھ بھی تھا اس کے بارے میں حمود الرحمن رپورٹ میں لکھا ہے کہ:

خود اپنی جانب سے بھارتی کمانڈر انچیف کو جنگ بندی کی پیش کش کرنے کے باوجود انھوں نے نہایت حقارت آمیز اور شرمناک انداز میں ہتھیار ڈالنے پر اپنی رضامندی ظاہر کی ... ہتھیار ڈالے جانے کی دستاویز پر دستخط... بھارتی افوج کی مشترکہ کمان اور مکتی باہنی کے سامنے ہتھیار رکھنے... فاتح بھارتی جنرل اروڑہ کے خیر مقدم کی غرض سے ڈھاکہ ایئرپورٹ پر موجودگی اور اپنے اے ڈی سی کو یہ حکم دیا کہ وہ جنرل اروڑہ کو "گارڈ آف آنر" پیش کرے اور اس بھارتی تجویز کی حمایت اور منظوری کہ ہتھیار ڈالنے کی یہ تقریب کُھلے عام منعقد کی جائے... ان کی جانب سے کی گئی یہ تمام حرکات اور اقدامات پاکستانی افواج کے ماتھے پر دائمی کلنک کا ٹیکہ ہیں۔34

اسی طرح کی صورتِ حال صدیق سالک کے یہاں بھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ:

مجمع کو بھارتی سپاہیوں نے روک رکھا تھا۔ تقریب کے لیے تھوڑی سی جگہ خالی تھی جہاں ایک چھوٹی سی میز پر بیٹھ کر لاکھوں بنگالیوں کے سامنے جنرل نیازی نے سقوطِ مشرقی پاکستان کی دستاویز پر دستخط کیے۔ اس کے بعد انھوں نے اپنا ریوالور نکال کر اروڑا کو پیش کر دیا۔ اور یوں سقوطِ ڈھاکہ پر آخری مہر ثبت کر دی۔ اس موقع پر جنرل اروڑا نے پاکستانی سپاہیوں کی ایک گارڈ آف آنر کا معاینہ کیا جو اس بات کی علامت تھا کہ اب وہی "گارڈ" ہیں اور وہی "آنر" کے مستحق"35

بنگلہ دیش کے علیحدہ ہو جانے کے بعد پاکستان تریانوے ہزار فوجی بھارت قیدی کیمپوں میں قید کر لیے گئے۔ اور بھارت نے وہ قید اُس وقت تک رہا نہ کیے جب تک پاکستان نے بنگلہ دیش کو تسلیم نہ کر لیا تھا یا جب تک شملہ کے مقام پر دنوں فریقین کے مابین معاہدہ طے نہ پا گیا۔ پاکستان اور بھارت کے وزراء اعظم کے درمیان شملہ معاہدے کے تحت دونوں ممالک کے درمیان قیدیوں کا تبادلہ اور دوسرے معاملات انجام پائے مگر محمد اجمل خان نیازی لکھتے ہیں کہ: "ذوالفقار علی بھٹو نے اس سے بہت کچھ منوا لیا تھا۔ سنا ہے کہ شملہ معاہدے میں کچھ طے نہیں ہو پا رہا تھا۔ اندرا بھٹو اکیلی ملاقات ہوئی اور معاہدہ ہو گیا، بھٹو پاکستان آ کر اسے جیت کہتا رہا۔ اندرا گاندھی بھارت والوں کو بتاتی رہی کہ اس نے پاکستان کے کرنیلوں کو میدان میں اور پاکستانی سیاستدانوں کو میز پر شکست دی ہے۔"36 بنگلہ دیش کے علیحدہ ہونے اور کے معاملے اور پاکستان کی مجموعی سیاست کے بارے میں مستنصر حسین تارڑ لکھتے ہیں کہ:

سکندر مرزا ایک عام سا سول سرونٹ، خواجہ ناظم الدین کو تلف کر دیتا ہے۔ مرزا صاحب کو ایک جنرل بلکہ کسی بھی بیٹل فیلڈ میں جائے بغیر فیلڈ مارشل ہو جانے والا ایوب خان تلف کر دیتا ہے۔ اور پھر اُس کا چہتا بھٹو جو اسے ڈیڈی کہتا ہے تاشقند معاہدے کے افشا کی لیس دار ٹیپ میں اُسے چپکا کر تلف کر دیتا ہے۔ اور پھر اُس بھٹو کو ایک ایسا کاسہ لیس مل جاتا ہے

Vol.4 No.3 2021
ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617

جو آگے بڑھ کر اُس کے جوتے سیدھے کرتا ہے تو وہی ضیاء الحق اُسے تارا مسیح سے تلف کروا دیتا ہے۔ کبھی لغاری کے ہاتھوں خود بے نظیر تلف ہوتی ہے اور کبھی نواز شریف خود سے یہ اہتمام کرتے ہیں کہ منتظر پرویز مشرف کو ایک لیس دار ٹیپ مہیا کر دیتے ہیں کہ ہم تو خود تلف ہونے کو تیار ہیں۔ درد کی اس زنجیر کا سلسلہ ابھی تک نہیں ٹوٹا تو دیکھئے کب پرویز مشرف اس زنجیر کی کڑیوں میں جکڑے جاتے ہیں کہ اس زنجیر کے ٹوٹنے کے ابھی تو کچھ آثار نظر نہیں آتے۔37

بنگلہ دیش کی سیاسی، سماجی، معاشی اور عسکری صورت حال کو پاکستان کے حالات کے ساتھ موازنہ کرتے ہوئے مستنصر حسین تارڑ نے اس بات کی وضاحت کی ہے کہ:

آج سیاست کا ہر طالب علم کہ وہ اپنے ملکی معاملات ہم سے بہتر طور پر چلا رہے ہیں، یہاں تک کہ انھوں نے بڑھتی ہوئی آبادی کو بھی کنٹرول کر لیا ہے اور ہم کہتے تھے کہ بنگالی بچے پیدا کرنے سے باز نہیں آسکتا۔ اُن کی معیشت بہتر ہے اور اُن کا بینکنگ سسٹم تیسری دنیا میں ایک مثال کے طور اپنایا جا رہا ہے۔ اُن کے خزانے میں پاکستان سے دوگنے ذخائر ہیں، اور وہ اپنے ایئرپورٹس، کارپوریشنیں، بجلی گھر، موٹروے اور کارخانے غیر ملکی سرمایہ داروں کے ہاتھوں فروخت کرنے کی ناکام کوشش نہیں کر رہے ... البتہ وہ ایک میدان میں پیچھے رہ گئے ہیں۔ اُکا ممبر پارلیمنٹ اتنا بے چارہ ہے کہ وہ پارلیمنٹ کے اجلاس میں شمولیت کے لیے سائیکل، رکشے یا کسی کھٹارہ کار میں آتا ہے بلکہ پیدل بھی آتا ہے۔"38

اردو سفر نامے میں سقوطِ ڈھاکہ کا واقعہ تاریخی اور سیاسی نوعیت کے لحاظ سے بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ جتنے ادیبوں اور شاعروں نے بھارت یا بنگلہ دیش کا سفر اختیار کیا ہے۔ ان کی تحریروں میں سقوطِ ڈھاکہ بازگشت پائی جاتی ہے۔ مختلف اوقات میں مختلف سفر نامہ نگار بھارت، بنگلہ دیش یا جنوبی ایشیا کے ممالک کے سفر پر گئے ہیں۔ اپنے اپنے انداز میں ان سفر نامہ نگاروں نے سقوطِ ڈھاکہ کے مختلف پہلوؤں کو تاریخی پیرائے میں بیان کیا ہے۔ امکان ہے کہ آئندہ کچھ سالوں میں پاکستان کے بنگلہ دیش کے ساتھ سفارتی تعلقات مزید بہتر ہو جائیں گے۔ شعراء، ادبا اور دیگر سیر و ساحت کا ذوق رکھنے والے لوگ بنگلہ دیش کا سفر کر سکتے ہیں۔ ایسی صورتِ حال کے پیشِ نظر یہ بھی امکان ہے کہ سقوطِ ڈھاکہ کی بازگشت مزید شدت اختیار کر جائے گی۔ تاہم امید یہی کی جاتی ہے کہ سقوطِ ڈھاکہ کے گہرے زخم کو بھلا کر بنگلا دیش کے ساتھ سفارتی سطح کے تعلقات استوار کیے جائیں۔

حوالہ جات:

(1) Wikipedia, the free. Bangladesh encyclopedia(مورخہ ۲۶، اکتوبر ۲۰۲۱ء بوقت رات دس بجے)
(2) آئین ٹالبوٹ، تاریخِ پاکستان، مترجم طاہر منصور فارقی، تخلیقات، لاہور، ۲۰۰۵ء، ص ۲۹۲
(3) مرتضیٰ انجم، بیسویں صدی کے اہم واقعات، یوپ بلیشرز، لاہور، 2002ء، ص ۲۲۸
(4) جنگ اخبار، جلد نمبر ۶۳، شمار نمبر ۲۹۲، ص ۱۲، بقیہ نمبر ص ۴ نمبر ۷
(5) مرتضیٰ انجم، بیسویں صدی کے اہم واقعات، ص ۲۲۸
(6) ایضاً، ص ۲۵۵
(7) ایضاً، ص ۲۵۵۔۲۵۶
(8) مستنصر حسین تارڑ، نیپال نگری، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور ۲۰۱۴ء، ص ۱۷۷
(9) ایضاً، ص ۱۷۷
(10) انتظار حسین، زمین اور فلک اور، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۹ء ص ۷۹

ISSN Online: 2709-7625
ISSN Print: 2709-7617
Vol.4 No.3 2021

(11) مستنصر حسین تارڑ، نیپال نگری ، ص۱۷۷
(12) ایضاً، ص۲۰۲۔۲۰۳
(13) حکیم محمد سعید، ایک مسافر چار ملک، ہمدرد اکیڈمی، کراچی، 1981ء، ص۱۲۶
(14) مستنصر حسین تارڑ، سنگِ نیپال نگری، ص۱۷۷۔۱۷۸
(15) ایضاً، ص۱۷۷
(16) آئین ٹالبوٹ، تاریخ پاکستان، ص۶۶
(17) علی سفیان آفاقی، دورانِ سفر، سارنگ، لاہور، 1992ء، ص۸
(18) ایضاً، ص۸۔۹
(19) انتظار حسین، نئے شہر پرانی بستیاں، ص۱۲۶
(20) ایضاً، ص۱۲۶
(21) عطاء الحق قاسمی، "شوقِ آوارگی" نستعلیق مطبوعات، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص۷۰
(22) مستنصر حسین تارڑ، "ماسکو کی سفید راتیں" سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۹ء ص۲۱
(23) قرۃ العین حیدر، جہانِ دیگر مکتبہ اردو ادب، لاہور، س ن، ص۸۹
(24) انتظار حسین، نئے شہر پرانی بستیاں، ص۱۲۶
(25) محمد اجمل نیازی، مندر میں محراب، پاکستان بکس، لاہور، ۱۹۸۷ء، ص۸۴
(26) ایضاً، ص۵۸۔۵۹
(27) ایضاً، ص۲۷۰
(28) محمد رفیق ڈوگر، "اندلس کی تلاش، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2006ء، ص۵۹
(29) محمد اجمل نیازی، مندر میں محراب، ص۲۷۰
(30) امجد اسلام امجد، چلو جاپان چلتے ہیں، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2003ء ص۱۰۹۔۱۱۰
(31) محمد اجمل نیازی، مندر میں محراب، ص ،۱۰۵
(32) ایضاً، ص۲۷۰
(33) مستنصر حسین تارڑ، "ماسکو کی سفید راتیں، ص۱۹
(34) محمد اشفاق خان، سید فضیل ہاشمی (مترجم)، حمود الرحمٰن کمیشن رپورٹ" (جلد اول)، لاہور، دارالشعور، ۲۰۰۶ء، ص،۳۹۷
(35) صدیق سالک، میں نے ڈھاکہ ڈوبتے دیکھا، الفیصل کتب، لاہور، ۲۰۰۲ء، ص۲۱۰
(36) محمد اجمل نیازی، مندر میں محراب، ص۵۷
(37) مستنصر حسین تارڑ، نیویارک کے سورنگ، سنگِ میل پبلی کیشنز 2010ء، ص۱۳۳
(38) مستنصر حسین تارڑ، نیپال نگری، سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۱۴ء، ص۱۷۸